انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date
1-S-15-22

Phone—29
Annual Rs. 4/-
Per Copy -/12 P

جلد ۲۶ - شمارہ ۱۳ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | یکم اپریل ۱۹۶۷ء

اداریہ

فوری حل اور دوررس پروگرام دونوں پر نظر ضروری ہے

آج کل ملک میں جو حالات ہیں اور دنیا کا جو رنگ ہے اس کی وجہ سے ایک ذہنی ہسٹریا پیدا ہو رہا ہے۔ لوگ پریشان ہیں اور روزانہ کی گڑبڑ انھیں اور پریشان کر دیتی ہے۔ غلے کی پیداوار میں کمی، وقت پر بارش کا نہ ہونا، خشک سالی، ضرورت کی چیزوں میں روزافزوں گرانی، بڑھتی ہوئی بے روزگاری، سیاسی حالات میں ہیجان نے عام لوگوں کو خاصا بدحواس اور سراسیمہ کر دیا ہے۔ جمہوریت سے جو انھیں توقعات تھیں وہ پوری نہیں ہو رہی ہیں۔ انھوں نے جمہوری نظام سے فائدہ اٹھا کر اپنے جذبات کا اظہار تو کر دیا ہے اور یہ امید بھی باندھی ہے کہ جن لوگوں کو طاقت کا نشہ تھا، وہ اپنی اصلاح کریں گے، مگر جب کوئی فوری تبدیلی نہیں نظر آئی تو یہ امید بھی بہت جلد مضمحل ہو رہی ہے ایسے میں ہمیں غور سے حالات کا جائزہ لینا چاہیے اور جذبات کے بجائے عقل سے کام لینا چاہیے، حالات کی پیچیدگی کو سمجھنا چاہیے اور ان حالات میں اپنے لیے راستہ پیدا کرنا چاہیے۔

جمہوریت کے معنی یہ ہیں کہ قانون کی حکومت ہو۔ دستور کتنا ہی اچھا قانون دے مگر قانون کا نفاذ ملک کی اخلاقی صلاحیت کے مطابق ہوتا ہے۔ دستور اخلاق عطا نہیں کر سکتا۔ ہاں جمہوریت کا ایک اخلاق ہے، یہ حقوق و فرائض کے رشتے کو پہچاننے کا اور اس پر ایمانداری سے عمل کرنے کا ہے۔ حقوق پر اصرار اور ان کا مطالبہ ضروری ہے۔ چند حقوق کو چھوڑ کر دراصل ہم اپنے حقوق کا مطالبہ نہیں کرتے مثلاً قیمتوں کی گرانی پر، حکومت کے کارکنوں کی بے پروائی پر، رشوت کے مطالبات پر، ذاتی مفاد کی خاطر قومی ضروریات کے پامال ہونے پر ہمارا احتجاج بہت کم ہوتا ہے۔ ہاں جب ہم پر ضرب پڑتی ہے تو ہم قوم پر ظلم کی دہائی دیتے ہیں۔ ہم صدیوں کی غلامی کی وجہ سے مظالم برداشت کرنے کے عادی ہو گئے ہیں، یہ نہیں ہونا چاہیے اپنے حقوق پر اصرار کرنا چاہیے، ان کے حاصل کرنے کے لیے احتجاج کرنا چاہیے۔ ان کے لیے مناسب حلقے بنا کر تحریک پیدا کرنا چاہیے مگر یہ کافی نہیں ہے۔

ہمیں اپنے فرائض پر بھی دھیان دینا چاہیے۔ مثلاً جمہوریت میں ہم مذہب، ذات، علاقے، زبان کی بنا پر دوسروں پر فضیلت کا مطالبہ نہیں کر سکتے، ہاں یہ مطالبہ کر سکتے ہیں کہ ان کی وجہ سے کوئی بے انصافی نہیں ہونی چاہیے اور اگر کوئی بے انصافی کرتا ہے یا ہمارے مذہب یا علاقے یا زبان کی وجہ سے ہماری صلاحیت کو نظرانداز کرتا ہے تو ہمیں اس زیادتی کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے۔ دراصل ہم اس بات کے عادی ہو گئے ہیں کہ ہندو، ہندو کی غلطیوں سے چشم پوشی کرے، مسلمان مسلمان کی کوتاہیوں کو نظرانداز کرے۔ برہمن برہمن کی جائز ناجائز مدد کرے، سید سید کے ساتھ رعایت کرے۔ جب ہم سب ایسا کریں گے تو پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ جو اقلیت میں ہوں گے وہ نقصان میں رہیں گے۔ اس لیے قومی معاملات میں، بلکہ لائف میں روزمرہ کے نظام میں صرف صلاحیت کو دیکھنا چاہیے۔ ہاں ان طبقوں کو جو تاریخی حالات کی وجہ سے اپنی صلاحیت نہیں دکھا سکے، سب کے برابر آنے کے مواقع دینا دوسری بات ہے۔

اگر عام زندگی میں اپنے طور پر ہم جمہوریت کے مطالبات کو برتنے لگیں تو ہمارے لیے یہ آسان ہوگا کہ ہم اس کے اصولوں پر حکومت سے عمل کرائیں۔ اس وقت کسی زیادتی کے خلاف ہمارا احتجاج ایک فرد یا ایک گروہ کی طرف سے نہیں ہوگا بلکہ پوری قوم کے اصولوں کی طرف سے ہوگا۔ اگر حکومت یا سماج کا کوئی اور طبقہ اس وقت اس احتجاج کی طرف سے غفلت برتے گا تو اسے اس کا نتیجہ بھی بھگتنے کے لیے تیار ہونا چاہیے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں قومی، سماجی، کاروباری، دفتری دنیوی معاملات میں ان فرائض کو ادا کرنا چاہیے جو ہم پر عائد ہوتے ہیں۔ پھر ان حقوق کے حاصل کرنے کے لیے ہمیں نئی توانائی بھی ملے گی اور ہماری توانائی پوری قوم کی توانائی ہوگی۔

دوسرے ہمیں فوری اور دوررس پروگرام میں فرق کرنا چاہیے۔ فوری حالات کے لیے حل اور مستقبل کے لیے حل دونوں

پر نظر رکھنا چاہیے۔ چنانچہ یہ بات واضح ہے کہ بیس برس سے جو غلطیاں ہوتی رہی ہیں وہ ایک دن میں درست نہیں ہوسکتیں اور غلطی کسی کی ہو خمیازہ سب کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اس لیے موجودہ حالات کی سنجیدگی کو سمجھ کر جمہوریت کے تقاضوں کے مطابق قومی زندگی میں پوری شرکت کرکے سماج کا دکھ درد اپنا کر ہم اپنے مخصوص گروہ کا علاج بھی کرسکتے ہیں۔ چرچل نے ڈنکرک کے بعد انگلستان کو خون پسینہ اور آنسوؤں کا پیغام دیا اور انگلستان نے ہمت ہارنے کے بجائے اپنی کمر کس لی۔ موجودہ حالات میں ہمیں بھی اپنے میں، اپنی قوم میں اور اپنی جمہوریت میں اعتماد اور عقیدہ پیدا کرکے اپنے حالات کے سدھار میں لگ جانا چاہیے۔

ادیبوں کو انعامات

حکومت اترپردیش نے اردو، ہندی اور سنسکرت کے ۲۲ ادیبوں کی تصنیفات پر مجموعی طور سے ۴۵ ہزار روپے کے انعامات دینے کا اعلان کردیا۔ اس کے علاوہ سیٹھ گوبند داس (ایم۔ پی) کو دس ہزار روپیہ کا ایک خصوصی انعام ہندی زبان کے لیے خدمات کے اعتراف کے طور پر دیا گیا ہے۔

اردو کے جن ادیبوں کو انعام دیا گیا ان کے نام یہ ہیں۔ اکبر الہ آبادی انعام (ایک ہزار دو سو روپیہ) ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی صدر شعبہ اردو فارسی لکھنؤ یونیورسٹی کو ان کی تصنیف "دلی کا دبستان شاعری" پر۔ رام پرشاد بسمل انعام (۵ سو روپیہ) ڈاکٹر سید محمد عقیل الہ آبادی کو ان کی کتاب "شمالی ہند میں اردو مثنوی کا ارتقا" پر۔ (۵ سو روپے کے مندرجہ ذیل انعامات دیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر اعجاز حسین الہ آبادی کو ان کی کتاب "ادبی ڈرامہ" پر۔ ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی کو ان کے شعری مجموعے "نیا عہد نامہ" پر۔ جناب عمر انصاری لکھنوی کو ان کے شعری مجموعے "سانس بے خودی" پر۔ جناب سفارش حسین رضوی کی کتاب "اردو مرثیہ" پر۔ اور پنڈت مالک رام اور ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو کی مشترکہ تحقیقاتی کاوش "کربل کتھا" کو۔

ہندی کے ۵ ادیبوں کو ڈھائی ڈھائی ہزار روپے کے ۵ خصوصی انعامات بھی دیے گئے ہیں اور ڈھائی ہزار روپیہ کا نرالا انعام میرٹھ کے شری رگھویر شرن مترا کو ان کی کتاب "بھوم بندرو" پر دیا گیا ہے۔

(قومی آواز، لکھنؤ)

اردو میں پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ کی ڈگری

الہ آباد یونیورسٹی سے جناب جعفر رضا کو ان کے مقالہ "میر عشق اور ان کے خاندان کی مرثیہ گوئی" پر پی ایچ ڈی کی سند ملی ہے۔ موصوف رسالہ "ذکر" کے ایڈیٹر اور "شب خون" کے اسسٹنٹ ایڈیٹر ہونے کے علاوہ متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

جناب شانتی رنجن بھٹاچاریہ کو اورینٹل کالج بمبئی نے ان کی تصنیف "تذکرہ تصنیف اردو بنگالہ" پر ڈی لٹ کی ڈگری عطا کی ہے۔ اس کتاب میں بنگال میں شائع شدہ ساری کتابوں کا ابتدا سے لے کر آج تک تذکرہ ہے نیز مصنفین کے مختصر حالات بھی کتاب میں درج کیے گئے ہیں۔ موصوف کو گورنمنٹ بنگال نے ان کی تصنیف "بنگالی ہندوؤں کی اردو خدمات" پر ۱۹۶۶ء میں پانچ ہزار روپیہ کا انعام بھی دیا تھا۔

اردو اور گجراتی کے شاعر کو انعام

اردو اور گجراتی کے نوجوان شاعر عادل منصوری کو گجراتی سرکار کی جانب سے ان کی حالیہ گجراتی کتاب "پگ ردو" کو سال کی بہترین کتاب قرار دیتے ہوئے انعام دیا ہے۔

میر ایوارڈ کے انعامی مقابلہ کی تاریخ میں توسیع

میر ایوارڈ کمیٹی نے انعامی مقابلے میں شامل کی جانے والی کتابوں کے بھیجنے کی تاریخ بڑھا کر اب ۱۵ر جون ۱۹۶۷ء مقرر کی ہے۔ انعام ساڑھے بارہ سو روپے ۱۹۶۶ء کی چھپی ہوئی اردو کی بہترین علمی، ادبی، تاریخی، تحقیقی تصنیف اور شعری مجموعے پر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ میر تقی میر سے متعلق ۱۹۶۶ء کی تصنیف، تالیف یا ترتیب پر ایک طلائی تمغہ پیش کیا جائے گا۔ کتابیں ذیل کے پتہ پر بھیجی جائیں:۔

ظفر احمد فاروقی جنرل سکریٹری آل انڈیا میر اکیڈمی، دلاری ہاؤس، لکھنؤ

ادارہ اشاعت اردو ہند بمبئی سے "روبرو" کا اجرا

ادارہ اشاعت اردو ہند نے اپنی سرپرستی میں "روبرو" کے نام سے ایک موقر علمی، ادبی ماہنامہ کے اجراء کا فیصلہ کیا ہے جو جدت کا حامی، صحت مند ادبی رجحان کا ترجمان، نئی تنقید و تحقیق اور جدید شعر و ادب کی رنگینیوں سے مرصع ہوگا۔

ہند و پاک کے ممتاز اور مشاہیر اہل قلم سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اپنی تازہ اور غیر مطبوعہ تخلیقات سے نواز کر ماہنامہ "روبرو" کو ترقی اور معیار کی عزت سے سرفراز فرمائیں۔

"روبرو" کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کی جاسکتی ہے۔

جوہر امروہوی۔ کمرانی باڑہ۔ ملاڈ (ایسٹ) بمبئی ۶۴

انجمن ترقی اردو شاخ کریم نگر کی جانب سے انعام

سری راجہ راجیشور گورنمنٹ آرٹس اینڈ سائنس کالج کریم نگر کے طالب علم جناب سید جمیل حسین ہاشمی (بی کام آخری) کو ان کی نظم "ذکر کالج" پر جناب کنہیا لال مہر صدر انجمن ترقی اردو شاخ ضلع کریم نگر کی جانب سے کالج ڈے کے موقع پر ۲۵ روپے کی اردو کتابیں بطور انعام دی گئیں۔

ڈاکٹر عبدالستار دلوی

اردو میں لسانیاتی تحقیق کی اہمیت

اردو زبان تشکیلی دور سے ارتقا کی اعلیٰ منزلوں تک ادیبوں اور شاعروں کی مرہونِ منت رہی ہے۔ اگر اسے ایک طرف صوفیوں اور درویشوں نے گلے لگایا تو دوسری طرف امرا و سلاطین نے اپنے ذوق و شوق کی پذیرائی بھی اسی زبان سے کی۔ اسی ذوق و شوق ہی کا نتیجہ ہے کہ ہم زبان کی تاریخ ادب میں بہت آگے نکل گئے ہیں۔ ادب کے مختلف پہلوؤں پر اردو میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اسے زبان کی چار سو سالہ تاریخ میں اہلِ اردو کے شاندار کارنامے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

اردو ادب کی ترقی میں اہلِ اردو نے اچھا کردار ادا کیا ہے۔ لیکن کسی بھی زبان میں ادب کی ترقی منتہائے اعلیٰ نہیں ہے۔ ادب کی ترقی ادب کی ترقی ضرور ہے لیکن اسے زبان کی ترقی نہیں کہا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ زبان کے فروغ کے لیے ہماری نظر ماہرِ زبان (LINGUIST) پر پڑتی ہے۔ شاعر و ادیب، نقاد و افسانہ نویس کا کام جہاں ادب کی خدمت کرنا ہے وہیں پر لنگوسٹ (LINGUIST) زبان کے فروغ و ترقی کا باعث ہوتا ہے کسی بھی ادب کی ترقی سے پہلے زبان کی بنیادی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک زبان ترقی نہ کرے تب تک ہم ادب کی ترقی سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔ یہاں تک کہ زبان کے حال اور ماضی سے متعلق گوناگوں قسم کے شکوک و شبہات میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ہمارے یہاں ایک بڑا طبقہ ادب کی ترقی کو زبان کی ترقی سے تعبیر کرتا ہے مگر حقیقتاً ادب کی ترقی سے زبان کی ترقی کا جو بھی تعلق ہے وہ اتنا معمولی ہے کہ اسے تعلق کے دھوکے سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اردو کے لسانیاتی ادب پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی ماہرِ لسانیات کو اردو زبان کی ترقی میں بہت بڑا کردار ادا کرنا باقی ہے۔ موجودہ سیاسی کساد بازاری کے دور میں اہلِ اردو کے لیے خاص طور سے اس مسئلے پر فوری طور پر نہ صرف غور کرنے کی بلکہ عملی طور پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ زبان کی ترقی کے سلسلے میں انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو بورڈ (کراچی)، اور ہمارے تحقیقی و علمی و ادبی اداروں کو اس پر فوراً توجہ کرنی چاہیے۔

محمد حسین آزاد غالباً پہلے شخص ہیں جنھوں نے اردو کی ابتدا اور ترقی سے متعلق اپنی استعداد بھر سائنسی لحاظ سے قلم اٹھایا۔ مقدمہ آبِ حیات اس لحاظ سے نہ صرف آبِ حیات کا مقدمہ ہے بلکہ اردو کے سارے لسانیاتی سرمایہ کے لیے بھی مقدمہ کا کام کرتا ہے۔ آزاد سے پہلے انشاء اللہ خاں انشاء نے "دریائے لطافت" لکھ کر جدید لسانی اصولوں کے پیشِ نظر اردو کی بولیوں کا جائزہ لینے کی کوشش کی تھی۔ افسوس ہے کہ انشاء کی دریائے لطافت کے بعد زبان سے متعلق سائنسی تحقیق اردو میں معدوم ہو گئی۔ انشاء اور آزاد سے لے کر اب تک جو بھی اس موضوع پر لکھا گیا ہے ان میں پنڈت کیفی، مولانا وحید الدین سلیم، ڈاکٹر عبدالحق، ڈاکٹر زور، پروفیسر احتشام حسین، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، ڈاکٹر گیان چند جین اور ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی خدمات کا اعتراف کرنا ضروری ہے تاہم ان میں سے اکثر و بیشتر حضرات نے تاریخی لسانیات پر زیادہ لکھا ہے۔ ڈاکٹر زور کی ہندوستانی صوتیات (انگریزی)، ڈاکٹر مسعود حسین خاں کی A PHONETIC AND PHONOLOGICAL STUDY OF A WORD IN URDU ڈاکٹر نارنگ کی "KARKHANDARI DIALECT" اور اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو اور ڈاکٹر گیان چند جین کے مضامین جو مختلف رسائل میں شائع ہوتے ہیں جدید لسانی اعتبار سے اردو پر کام کرنے کی انفرادی کوششیں ہیں تاہم ابھی انفرادی اور جماعتی لحاظ سے ہمیں بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ اردو زبان کی ترقی کے سلسلے میں ماہرِ زبان LINGUIST کو مندرجہ ذیل سمت و رفتار میں کام کرنا چاہیے۔

(۱) اردو کا صوتی تجزیہ (A PHONETIC AND PHONOLOGICAL ANALYSIS OF URDU.)

(۲) اردو کا حرفی و نحوی مطالعہ (DESCRIPTIVE GRAMMAR OF URDU.)

(۳) اردو کی مختلف بولیوں کے جائزے (URDU DIALECT SURVEYS)

(۴) اردو زبان کی تدریس کا مسئلہ (PROBLEMS OF URDU LANGUAGE TEACHING)

(۵) اردو کے سماجی و ثقافتی پہلو (SOCIAL AND CULTURAL STUDIES OF URDU.)

(۶) ذو لسانیت اور اردو۔

(۷) اردو لغت کی تدوین۔

مندرجہ بالا موضوعات میں زبان کے صوتی تجزیے کو میں نے پہلے نمبر پر رکھا ہے۔ کسی زبان کے لسانی مطالعوں کے سلسلے میں صوتی تجزیہ ہی بنیادی اہمیت رکھتا ہے جب تک کہ ہم زبان کا صوتی مطالعہ نہ کریں زبان کے دیگر پہلوؤں پر کام نہیں ہو سکتا اس لیے کہ آواز ہی سے زبان وجود میں آتی ہے حرفی (MORPHOLOGICAL) مطالعہ میں بھی قدم قدم پر صوتی خصوصیات ہی کے تعین کے بعد ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔ زبان کے رسم خط کے سلسلے میں صوتی مطالعہ مددگار ثابت ہوگا۔ ابھی اردو کی بنیادی آوازوں کا صحیح تعین نہیں ہوا ہے۔ بہت حروف کو ہم آوازوں کا قائم مقام سمجھتے ہیں۔ صوتی تجزیہ کے بعد حرف و صوت میں امتیاز پیدا ہوگا اور زبان کے مطالعے کے سلسلے میں ایک سائنسی کڑی ہمارے ہاتھ آ جائے گی اسی طرح اردو زبان کے صوتی مزاج کا بھی اندازہ ہوگا جس کے سلسلے میں ہم ابھی بہت سی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔

اردو زبان کی جدید ترتیب بھی اتنا ہی اہم کام ہے جتنا اردو کی صوتیات کا مطالعہ اردو قواعد کے سلسلے میں خاص طور سے THEORY OF GRAMMAR اور TRANSFORMATIONAL THEORY کے پیشِ نظر زبان کا حرفی و نحوی مطالعہ پیش ہونا چاہیے اردو والوں کے لیے یہ بہت شرمناک بات ہے کہ وہ سائنسی لحاظ سے کوئی مستند قواعد کی کتاب پیش نہیں کر سکے جو زبان کے عمل (FUNCTION) کو دکھا سکے۔

اردو کی مختلف علاقائی اور سماجی بولیوں کے جزرسے متعارف کی

اردو، لکھنؤ کی اردو، پنجابی اردو، بمبئی کی اردو، دکنی اردو، میسوری اردو مدراسی اردو وغیرہ علاقائی اعتبار سے مقامی بولیوں کے اثرات کے تحت الگ الگ بولیوں کی شکل اختیار کر گئی ہیں ان کے تجزیاتی مطالعے بھی ضروری ہیں تاکہ اردو کی تمام بولیوں کو ان مطالعوں کے ذریعہ محفوظ کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر زور نے اپنی انگریزی کتاب ہندوستانی صوتیات میں دکنی کا صوتی مطالعہ پیش کیا ہے اور ڈاکٹر نارنگ نے اپنی مختصر کتاب "KARKHANDARI DIALECT OF URDU" میں کرخنداری بولیوں کا جائزہ لینے کی بنیاد ڈالی ہے۔ ان ابتدائی کوششوں سے مدد لے کر اس کام کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ صوتی اعتبار سے اردو کے معیار کے سلسلے میں ان بولیوں کی مشترک خصوصیات ہی سے جن اجزا کی تعیین کیا جا سکے گا۔ اردو سے متعلق "دو لسانی مطالعے BILINGUAL STUDIES" بھی دلچسپ اور رنگا رنگ موضوع ہے۔ بولیوں کے سماجی مطالعوں SOCIAL DIALECTS میں بازاری اردو "عورتوں کی زبان" مختلف پیشہ وروں کی زبان کے مطالعہ بھی سماجی و لسانی مطالعوں کا اہم موضوع بن سکتے ہیں۔

اردو میں لغت کی تدوین بھی بنیادی اور اہم ضرورت ہے اگر اردو میں لغتوں کی کمی نہیں لیکن مشکل ہی سے آپ کو کوئی ایسی لغت ملے گی جو ہماری تمام ضروریات پر حاوی ہو، تلفظ اس کی تشکیل اصل و نسل، اس کی قسم (اسم، فعل، صفت وغیرہ)، تلفظ کی صحت کے سلسلے میں تفصیلات ایک اچھی لغت میں ضروری ہیں۔ اس قسم کی لغت کی ترتیب میں آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کو بطور نمونہ سامنے رکھنا چاہیے۔ تلفظ کی صحت کے سلسلے میں جونس کی THE ENGLISH PRONOUNCING DICTIONARY کے طرز پر لغت کی تدوین ہونی چاہیے۔ لغت کی جدید ترتیب میں وہ سارے الفاظ شامل ہونے چاہیے جو عام اردو بول چال میں استعمال ہوتے ہیں خواہ وہ کسی زبان سے ہی کیوں نہ ہو۔ اس سلسلے میں ہمیں اس اصول پر کاربند رہنا چاہیے کہ

"THE QUESTION HOW TO TREAT LOAN WORDS CAN HAVE ONLY ONE ANSWER; TREAT THEM AS WORDS" (BERNARD BLOCH STUDIES IN COLLOQUIAL JAPANESE REPRODUCED IN READINGS IN LINGUISTICS ED. BY MARTIN JOOS, 1957 PAGE 339)

اسی طرح سترہویں، اٹھارویں، انیسویں اور بیسویں صدی میں مستعمل ہونے والے الفاظ پر تاریخ زبان کے مطابق لغتیں بھی مرتب ہونی چاہئیں

لسانی تحقیق کے دو پہلو ہیں۔ اردو میں اس نوع کی تحقیقات سے پہلے ان دونوں پہلوؤں کو علیحدہ رکھنا ضروری ہے۔ اول لسانیات (LING-UISTICS) کے حرف سے ترقی کرنے والے جدید علم کی حیثیت سے مطالعہ کر اس کے ذریعہ اردو میں علم زبان کے طالب علم کے لیے زیادہ سے زیادہ مواد حاصل ہو۔ اس سلسلے میں علم زبان کے سارے پہلو مثلاً تجزیاتی، تاریخی، جغرافیائی (بولیوں کے مطالعوں کے ساتھ) لفظ و معنی کا تعلق، الفاظ کی تاریخ (ETYMOLOGY) تدریس زبان، اختلاط زبان (LANGUAGES IN CONTECT) اور اسلوبیات (STYLISTICS) وغیرہ پر محیط ہو۔ دوم ہند آریائی گروہ کی تاریخی اہمیت اور اس کے پیش نظر اردو کے ساتھ ساتھ دیگر جدید ہند آریائی زبانوں کے تفصیلی مطالعے تاکہ اردو کے جدید ہند آریائی زبانوں سے رشتے بھی ایک نظر ہمارے سامنے رہیں۔

انیسویں صدی کے ربع اول میں علم زبان کی سائنسی حیثیت تسلیم کر لینے کے بعد اس نے تین تدریجی منزلیں طے کیں۔

پہلی منزل: اس دور میں زبانوں کے خاندانی رشتے اور اس کی قواعد کے تاریخی ترقی سے بحث کی گئی۔ بوپ، گریم، ہیلمس، لڑ اور ویٹنی نے زبانوں کے خاندانی رشتے اور اس کی قواعد کی عہد بہ عہد ترقی کے سلسلے میں سب سے پہلی مرتبہ اپنے مطالعے پیش کئے۔

دوسری منزل: اس عہد کے اہم علماء پال، برگمن اور لیسٹ ہیں جنھوں نے پہلے پہل صوتی اصولوں (PHONETIC LAWS) اور حرفی تغیرات کے لحاظ سے زبانوں کی تاریخ اور تشکیل سے متعلق نظریے قائم کئے۔ یسپرسن (JESPERSON) اور وینڈریسے (VENDRYES) نے جن میں اول الذکر ہالینڈ اور موخر الذکر فرانس کا رہنے والا تھا اس عہد کے بنیادی نظریوں پر قائم رہتے ہوئے جنھیں پال، برگمن اور لیسٹ نے پیش کیا تھا زبان کے سماجی اور ثقافتی پہلوؤں پر بھی زور دیا۔

تیسری منزل: یہ علم اللسان کی جدید ترین منزل ہے جس کی ابتدا فونیم (PHONEME) کے نظریے کے بعد رکھی گئی۔ اس نے قدیم تاریخی لسانیات کے ساتھ توضیحی لسانیات (SYNCHRONIC LANGUASTICS) پر بھی زور دیا۔

۱۹۳۰ء کے بعد اس نے مکمل اعتبار سے آزادانہ حیثیت حاصل کر لی اور قدیم تقابلی لسانیات (COMPARITIVE PHILOLOGY) کی محدود دنیا سے نکل کر نئی سمتیں اختیار کیں فی زمانہ اس کے چار دبستان پراگ، کوپن ہیگن، لندن اور امریکی اسکول مشہور ہیں۔ اردو کے لسانیاتی ادب کو علم زبان کے اس پس منظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

اردو میں اچھے تحقیقی مقالے لکھے جا رہے ہیں۔ یہ تحقیقی مقالات کچھ اس نوعیت کے ہوتے ہیں جیسے اردو غزل کا ارتقاء، اردو افسانے یا ناول کا ارتقاء جن میں ادب کی مختلف اصناف کی تاریخ اور ترقی کا جائزہ دیا جاتا ہے۔ کچھ مقالے ادبی شخصیتوں پر مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً نظیر کا عہد اور شاعری، سودا، حیات اور شاعری، شبلی، ایک دبستان، آزاد، حیات اور کارنامے وغیرہ۔ اس قسم کے مقالوں میں اکثر اوقات زور اس بات پر صرف کیا جاتا ہے کہ فلاں شاعر یا ادیب کس مہینہ کس تاریخ کو پیدا ہوا موت کب واقع ہوئی صبح یا شام یا دوپہر میں۔ اس قسم کی تحقیقات ہو سکتی ہوں تو بڑی اچھی بات ہے لیکن اسی کو تحقیق میں اعلیٰ کارنامہ سمجھ کر اپنا اور قاری کا وقت ضائع کرنے سے فائدہ؟ میں موضوع کے اعتبار سے بھی مذکورہ بالا موضوعات پر کام کرنے کا مخالف نہیں ہوں۔ ادب میں ان کی بڑی اہمیت ہے

(باقی صفحہ ۷ پر)

اختر نظمی

نیا موڑ

میری منزل تھی، مرا جادہ تھا
اپنی ہی دھن میں بڑھا جاتا تھا
ایک آہٹ نے قدم تھام لیے
ایک آواز نے بڑھنے نہ دیا
ایک آواز ——
وہ دلکش نغمہ
دل میں اترا تو اترتا ہی گیا
اسی آواز کی جانب ہوں رواں
اپنی منزل کا پتہ یاد نہیں

موسیٰ کلیم

داغ

عمر بھر روتا رہا
روتا رہا
روتا رہا
داغ اک دھوتا رہا
دھوتا رہا
دھوتا رہا
اور جب آنکھیں ہوئی ہیں بند
تو آنسو رکے
اور داغ —— ؟
داغ باقی ہی رہا۔

یعقوب راہی

حرف آخر

زندگی کے سیہ خرابے میں
ایک انسان، درد کا پیکر
توڑنے کو ہے آج دم اپنا
اس کے ہونٹوں پہ چند فقرے ہیں
"وادیوں کو ملیں جواں کرنیں
نسلِ فردا کو صبح راس آئے"

غزلیں

آرزو دگلانی

مجھ کو تنہا دیکھ کر یہ راہ بھی حیران ہے — کیا بتاؤں اس کو وہ ساتھی کہاں پر رہ گیا ہے
ہم تجھے ڈھونڈا کیے اپنے بدن کی راکھ میں — تم ہماری تشنگی کی پہنائیوں میں جا چھپے
پہروں تنہائی میں خود سے بولتے رہتے ہیں ہم — اور پھر یہ سوچتے ہیں، کون تھا، ہم تو نہ تھے
ہم نے تو آزادیِ جی بھر کر ابھی دیکھا نہ تھا — اور وہ آنکھوں میں کتنی پیاس بھر کر چل دیے

مدحت الاختر

اتنی مشکل تو نہ تھی راہِ وفا — جانے کیوں لوگ چلے.... بیٹھ گئے
بارشِ سنگ میں چلنے والے — پھول کے سائے تلے بیٹھ گئے
رات بھر جو سفر سے تھے راہی — جانے کیوں رات ڈھلے بیٹھ گئے
رات بھر پیار کے نغمے گونجے — صبح دم سب کے گلے بیٹھ گئے

عبدالرحیم نشتر

شہر میں کون جانتا تھا مجھے — میری پہچان آپ ہی تو ہیں
جاگزیں دل میں اور ہم سے گریز — ایسے نادان آپ ہی تو ہیں
زندگی سر گراں ہے جس کے لیے — ہاں وہ ارمان آپ ہی تو ہیں
آپ سے آبروئے غمِ نشتر — غم کا طوفان آپ ہی تو ہیں

علیم افسر غازی پوری

تمہیں کیا بتاؤں میں دوستو مرے عشق کا یہ مآل ہے
یہ نمودِ جلوۂ دلبراں میری آگہی کا زوال ہے
ہے جمودِ دہرِ رواں دواں کہ ہزاروں صدیوں کے بعد بھی
وہی روز و شب کا تبادلہ وہی گردشِ مہ و سال ہے
وہ سکوں کی بات کدھر گئی کہاں عشرتوں کا وہ خواب ہے
رخِ زندگی پہ تو آج بھی وہی گردِ ہائے ملال ہے
نہ وہ حوصلے نہ وہ ولولے جو کبھی تھے جادۂ شوق میں
غمِ زندگی کی تھکن لیے تری آرزو بھی نڈھال ہے

نوری ذوقی

رنگینیِ فضائے گلستاں میں کھو گئے
اہلِ چمن بہار میں برباد ہو گئے
دو چار گام کے ہی لیے جن کے ہمسفر
کانٹے وہ غم کے راہِ محبت میں بو گئے
منزل تلاش خود کرو اے اہلِ کارواں
رہبر تو زیرِ سایہ کہیں تھک کے سو گئے
جن کے دلوں میں جرأتِ بیباک تھی نوری
داغِ جبینِ وقت وہی لوگ دھو گئے

اصغر عباس

احسان اللہ عباسی

ہندوستان کا دورِ جدید بہت سے اسباب کا مرہونِ منت ہے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد ملک میں بہت سی تحریکوں کے لیے ایک ماحول پیدا ہو گیا۔ ملک کی عام سیاسی، سماجی، معاشی اور تعلیمی بیداری اور شعور کی اسی عہد کی پیداوار ہے۔ اس حیثیت سے ۱۸۵۷ء کا غدر ایک فالِ نیک ثابت ہوا کیونکہ اس نے ہمیں گہری نیند سے جھنجھوڑ کر بیدار کیا اور مسلمان بھی اپنی تنظیم پر غور و خوض کرنے لگے اور جو علی گڑھ تحریک کی شکل میں صورت پذیر ہوئی اس تحریک سے براہِ راست نہیں تو بالواسطہ طور پر علامہ ابوالفضل احسان اللہ عباسی نے بھی عملی طور پر حصہ لیا۔ مولانا احسان اللہ عباسی اس خطہ سے تعلق رکھتے ہیں جس کے متعلق اقبال سہیل نے کہا تھا کہ

یہ خطہ سب سے آگے دیش پہ قربان ہوتا ہے
یہاں کا نوجواں برگزیدۂ عثمان ہوتا ہے

اعظم گڑھ اور جونپور کے مضافات صدیوں سے گہوارۂ علم و تمدن رہے ہیں یہاں کی مردم خیزی دیکھ کر شاہجہاں نے اس کو شیرازِ ہند کہا تھا اسی شیرازِ ہند میں چریاکوٹ بھی ایک مشہور قصبہ تھا جس کے متعلق سید سلیمان ندوی حیاتِ شبلی میں لکھتے ہیں کہ دوسرا مشہور قصبہ چریاکوٹ ہے۔ قدیم آبادی ہے ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں اس کا نام لیا ہے۔ عباسی شیوخ جن کو قضا کی خدمت سپرد تھی یہاں آباد تھے اسی خاندان سے مولانا عنایت رسول اور مولانا فاروق تھے۔ اسی چریاکوٹ میں حضرت عباسؓ سے اڑتیسویں پشت میں اکتوبر ۱۸۶۳ء کی کسی مبارک تاریخ کو ابوالفضل احسان اللہ عباسی کی پیدائش ہوئی۔ ان کے والد کا نام عزیز اللہ تھا۔ بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ یتیمی نے بہت زیادہ دنوں وطن میں رہنے نہ دیا اور شرابِ علم کی لذت انھیں کشاں کشاں جونپور لائی یہاں انھوں نے اپنے دور کے عہد آفریں شخصیت حضرت مولانا فاروق سے مشرقی علوم کی تحصیل کی یہ وہی زمانہ تھا جب سرسید مسلمانوں میں جدید تعلیم کو رائج کرنے کا حسین خواب دیکھ رہے تھے قدرت نے مولانا کی قسمت میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ مدرسۃ العلوم کے ابتدائی دور کے طالب علم ہوں چنانچہ سرسید انھیں جونپور سے علی گڑھ لے گئے۔ مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد یہ گورکھپور چلے گئے لیکن علی گڑھ سے سرسید اور گزٹ کے توسط سے رسم و راہ بنی رہی۔ گزٹ میں موصوف کے کئی مضامین بھی ملتے ہیں گورکھپور کے محلہ نظام پور میں ان کی شادی شیخ گدا حسین کی صاحبزادی سے ہو گئی اسی سلسلے میں ان کا مستقل قیام گورکھپور ہی میں رہنے لگا یہاں انھوں نے قانون گوئی کا امتحان پاس کیا اور پھر وکالت کا امتحان دے کر سول کورٹ میں پریکٹس کرنے لگے گورکھپور بار ایسوسی ایشن کے بانی بھی تھے ان کی وفات تریسٹھ سال کی عمر میں تاریخ ۶ مارچ ۱۹۲۸ء کو محلہ نظام پور میں ہوئی۔

مولانا احسان اللہ عباسی کی گھر سے باہر انگریزی لباس و آداب کی حامل تھی یہی وجہ تھی کہ اس زمانے کے انگریز حکام ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے طبیعت انتہا سے زیادہ صلح پسند پائی تھی ایسا ہر مجلس کے روحِ رواں بن جاتے تھے ان کے کردار و گفتار میں تضاد بالکل نہ تھا۔ اپنے گھر کی عورتوں سے کتابوں کی جلد بندھواتے تھے اور انھیں اس کی قیمت دیتے تھے وقت کا بڑا خیال رکھتے تھے قوم و ملت کی بھلائی اور اصلاح کے لیے متعدد اسکیمیں ان کے ذہن میں رہتی تھیں جنھیں وہ بروئے کار لاتے تھے۔

مولوی احسان اللہ کی تصنیفی زندگی کا آغاز بچپن ہی سے ہو گیا تھا انھوں نے اپنے جونپور کے زمانے قیام میں ریاضی کے موضوع پر کئی کتابچے لکھے تھے جو دستبردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکے۔ انھوں نے اپنی طالب علمی کے ابتدائی دنوں میں LAMB'S TALES کا ترجمہ فسانۂ دلپذیر کے نام سے کیا تھا جسے منشی نولکشور پریس نے چھاپا تھا۔

مولوی احسان اللہ عباسی نے جس دور میں آنکھ کھولی تھی اس نے انھیں بہت جلد چونکا دیا کچھ تو گھریلو حالات کا تقاضا تھا اور کچھ سرسید کی تحریک اور تقریروں کا اثر اسی لیے جب ہم ان کی تحریروں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کی تعلیمی سماجی تہذیبی اور ثقافتی ترقی کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہو سکتی ہے وہ سب ان کی تحریروں میں ان کی تقریروں میں اور ان کے عملی کاموں میں موجود ہے۔ مشرقی یوپی اور بہار میں جس شخص نے سرسید کی تحریک کو رنگ و آہنگ دیا تو وہ بھی مولانا احسان اللہ عباسی تھے۔ اس لحاظ سے اگر ہم انھیں اس دیار کا سرسید کہیں تو کوئی بے جا نہ ہوگا کیونکہ اس خطہ کی نئی نسل کی تعمیر میں جتنا مولوی احسان اللہ عباسی کا ہاتھ ہے کسی دوسرے کا نہیں۔ مولانا کی کثیر تصانیف کو دیکھتے ہوئے جب ہم ان کی مقبولیت اور شہرت پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں کچھ مایوسی ہوتی ہے کیونکہ ابھی ان پر توجہ نہیں دی گئی ہے۔ ذیل میں مولانا کی کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ لفظی ترجمہ قرآن مجید۔ یہ ترجمہ اردو زبان میں کیا گیا ہے لیکن صرف ساڑھے آٹھ پارے کا ترجمہ ہو سکا ہے اس میں ۲۹۶ صفحات ہیں سنِ اشاعت معلوم نہ ہو سکا۔ اس ترجمہ کا خاص وصف یہ ہے کہ یہ فصیح اردو میں کیا گیا ہے۔

۲۔ تاریخ الاسلام۔ اس میں دس باب ہیں۔ عرب کے مختصر حالات لکھ کر آنحضرت صلعم، خلفائے راشدین اور عبدالملک بن مروان تک باقاعدہ حالات لکھے گئے ہیں اس کے بعد اسلامی دنیا کے مختصر حالات ہیں اور آخر میں مشاہیرِ اسلام کا تذکرہ ہے کتاب ۶۸۰ صفحات پر محیط ہے میرے سامنے جو نسخہ ہے وہ ۱۹۱۱ کا چھپا ہوا ہے اور دوسرا ایڈیشن ہے۔ اپنے زمانے میں مشہور کتاب تھی اور مدرسۃ العلوم کے نصاب میں بھی داخل تھی۔ اس زمانہ کے مشاہیر مثلاً جسٹس امیر علی، بدرالدین طیب جی، فاروق چریاکوٹی وغیرہ نے اس کی بڑی تعریف کی تھی۔

۳۔ الاسلام۔ اس کتاب کا موضوع فلسفۂ اسلام ہے اور آٹھ سو صفحوں کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں مذہب اسلام کے اصول بتائے

گئے ہیں اور اس کی خوبیاں اس طرح واضح کی ہیں کہ جدید تعلیم سے جو کمزوریاں نئی نسل میں پیدا ہو رہی ہیں ان کا اس سے پورے طور پر تدارک ہو جائے۔ اس کی زبان نہایت شستہ اور عبارت سلیس ہے۔

۴۔ زاہدہ۔ اٹھارہ جزو کا ناول ہے میرے سامنے جو نسخہ ہے وہ دوسرا ایڈیشن ہے اس کتاب میں قصہ کے پیرائے میں مذہب و اخلاق کی تمام باتیں جو اس زمانہ کے لحاظ سے مفید ہو سکتی تھیں بیان کی گئی ہیں اس زمانہ کے اخبارات نے ایک زبان ہو کر اس ناول کی تعریف کی ہے "صدائے ہند" نے اس بارے میں لکھا ہے کہ

"اگر مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے اپنی کتابوں میں مذہبی مسائل کو ناول کے پیرائے میں بیان کرنے کا کمال دکھایا ہے تو "زاہدہ" کے مصنف نے بھی وہ باللہ بڑھ کر بازی لی ہے" اور "شیر ہند" کی رائے ہے کہ "مولوی احسان اللہ جیسے ناولسٹ اگر ہندوستان میں اور خصوصاً مسلمانوں میں پیدا ہو جائیں تو اس کو فال نیک سمجھنا چاہئے"

۵۔ المجاہد۔ ایک سو ستر صفحے کی کتاب ہے ۱۸۹۰ء میں پہلی بار چھپی ہے اس کا موضوع عورتوں کے حقوق ہیں مسلمانوں میں عورتوں کے جائز حقوق کو پامال کرنے کا جو رجحان پیدا ہو گیا تھا اس کا نقشہ اس ناول میں پیش کیا گیا ہے اور والدین کی جائداد میں عورتوں کے حق کو ثابت کیا گیا ہے اس ناول کے متعلق "اپنچ" نے لکھا تھا کہ "المجاہد..... قصہ در قصہ ناول کا ناول ہے..... قصہ کے پیرائے میں عورتوں کے حقوق جو وراثت کے متعلق ہیں بہت اچھی طرح دکھائے گئے ہیں" اخبار "جام جمشید" نے المجاہد کی سلاست عبارت اور وسعت بیان کی تعریف کی ہے۔

۶۔ محسنۃ الارامل۔ یہ ایک تقریر ہے جو مولانا نے بیواؤں کی شادی کے موضوع پر کی تھی۔ یہ بیس صفحہ کا ایک کتابچہ ہے۔

۷۔ نشتر سخن۔ یہ کتاب اردو شعراء کے کلام کا انتخاب ہے اس کے علاوہ سعدی، خیام، صائب وغیرہ فارسی شعراء کا بھی انتخاب کلام دیا گیا ہے کتاب کے شروع میں فارسی اور اردو شاعری پر ایک مضمون بھی ہے۔

۸۔ تاریخ حکمائے یونان۔ یہ کتابچہ یونان کے فلسفیوں سے متعلق ہے۔

۹۔ فکر دنیا۔ اس کتابچہ میں نوجوانوں کو صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف رغبت دلائی گئی ہے اور روزی حاصل کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔

۱۰۔ زبان اردو۔ اس کتابچہ میں اردو زبان کی طرف سے قوم کے سامنے اپیل کی گئی ہے۔

۱۱۔ فسانۂ دلپذیر LAMB'S TALES کا اردو ترجمہ ہے۔

۱۲۔ الوقت۔ اس نام کا ایک اخبار بھی گورکھپور سے نکالتے تھے۔

صفحہ ۴ سے آگے

لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے تحقیقی اداروں اور یونیورسٹیوں سے زبان کے سلسلے میں بھی تحقیقات کرائیں۔ تحقیق کرنے والوں میں کم سے کم پچاس فیصدی اساتذہ اور طلباء کو لسانیاتی تحقیق کا ذمہ سونپا ہوگا۔ اس کے لیے جدید لسانیات میں تربیت یافتہ اشخاص پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام طلباء اور اساتذہ کو لسانیات کے سمر اسکولوں (SUMMER SCHOOLS OF LINGUISTICS) میں بھیج (DEPUTE) کرکے بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس سے بہتر ہوگا اگر ہم کم سے کم ہماری یونیورسٹیوں کے ایم۔ اے (اردو) کے نصاب میں جدید طرز سے لسانیات کی تعلیم لازمی کر دیں۔ لازمی لسانیات کے دو پرچے رکھنا ضروری ہیں۔ نصاب کی اس ترتیب میں زبان کی تاریخ، مختلف نظریے، زبان کا ارتقاء (PHILOLOGY) اور قواعد سے متعلق جو پرچہ عام طور سے ہماری یونیورسٹیوں میں رائج ہے اسے ختم کیا جا سکتا ہے وہی ساری باتیں لازمی لسانیات کے دو پرچوں اور "تاریخ ادب" کے پرچے میں بہت خوبصورتی کے ساتھ شامل کی جا سکتی ہیں۔ اس سے ہمارے طلباء میں لسانیاتی تحقیق کی اہمیت کا احساس پیدا ہوگا اور اردو زبان کے فروغ میں وہ عملی طور سے حصہ بھی لے سکیں گے جو اردو زبان کی بقا کا ضروری ہے۔

کتابیں ملیں

بسمل سعیدی اپنے وطن میں

مصنف:- سید منظور الحسن برکاتی

ملنے کا پتہ:- امام الدین خاں مرو سعیدی۔ محلہ راج ٹاون۔ ٹونک (راجستھان)

صفحات:- ۹۳

آب و تاب۔ (شعری مجموعہ)

مصنف:- عشرت جالندھری

ناشر:- ادارہ اشاعت اردو، دہلی

صفحات:- ۱۹۰

قیمت:- پانچ روپے

نئی تخلیق (شعری مجموعہ)

مصنف:- صائب عاصمی

ملنے کا پتہ:- ادارہ "تخلیق کار" پوسٹ بکس ۲۳ لاہور

صفحات:- ۲۰۸

قیمت:- تین روپے ۵۰ پیسے

مراسلات

لغت ۔ مذکر یا مؤنث

"لغت" کی تذکیر و تانیث سے متعلق "ہماری زبان" کے صفحات پر دو چار ماہ سے بحث جاری ہے تازہ شمارے (۱۵ جنوری ۱۹۹۷) میں بھی جناب رشید الدین حیدرآبادی کا مراسلہ نظر سے گذرا اس سے پہلے میں نے بھی 'لغت' سے متعلق لکھ کر "ہماری زبان" کو بھیجا تھا

"لغت" ڈکشنری کے معنوں میں مؤنث ہی ہے اور لفظ کے معنوں میں مذکر مگر جناب ڈاکٹر صفدر آہ صاحب نے بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب کی رائے کو بھی غلط قرار دیا ہے تو بھلا ہم سب کس شمار میں مگر میری نظر میں بابائے اردو مولوی عبدالحق کی رائے کو غلط قرار دینا "سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے"

"لغت" کی تذکیر و تانیث سے متعلق جناب صفدر آہ صاحب نے صرف ہفتہ وار "ہماری زبان" ہی میں نہیں بلکہ ترقی اردو بورڈ کراچی کے سہ ماہی پرچہ "اردو نامہ" میں بھی بحث چھیڑی ہے اور جناب جوش ملیح آبادی، جناب شان الحق حقی صاحب اور جناب شوکت سبزواری صاحب کو بھی اظہار خیال کی دعوت دی ہے "اردو نامہ" کے تازہ شمارے میں جناب شان الحق حقی صاحب کا جواب بھی شایع ہوا ہے جو قارئین "ہماری زبان" کے لیے درج ذیل ہے۔

"ہمارے ہاں تذکیر و تانیث محض سماعی ہے اور خاصی بے قاعدہ لہذا "لغت" کی تانیث یا تذکیر پر دلیل لانا عبث معلوم ہوتا ہے پھر بھی ظاہر ہے کہ 'لغت' بالاصل مؤنث کلمہ ہے۔ اگر ہم نے اس کو اردو میں مذکر بنا لیا تو دیکھا چاہیے کہ کس قرینے پر؟ اس وزن کے جتنے الفاظ اردو میں رائج ہیں سب مؤنث ہوں مثلاً، صفت، جہت اور بیت صحت وغیرہ (بہ تخفیف حرف ثانی) بلکہ ہندی کے بھی جو الفاظ اس کے مماثل ہیں عموماً مؤنث ہیں۔ جیسے بچت، سنگت، بسنت، مدت، کھپت وغیرہ مستثنیات چند ہی ہیں جیسے جگت "لیکن جگت بالضم مؤنث ہی ہے اتفاق سے نور اللغات نے جگت بمعنی جہاں کو بھی مؤنث بتایا ہے۔

اکثر فصحا لغت کو لفظ کے معنی میں مذکر بولتے ہیں اور غالباً لفظ کے قیاس پر لیکن لکھنؤ والوں نے خود لفظ کو بھی مؤنث بنا لیا تھا اور غالباً لغت کے قیاس پر اپنی ذات سے 'لغت' ایک قسم کی کتاب ہے چونکہ تذکیر و تانیث کا قیاس عموماً نوع یا نفس سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ لہذا یوں بھی مؤنث ہی ہونی چاہیے بلکہ بعض مخصوص لغات کو بھی مؤنث کہہ دیا جاتا ہے جیسے: صراح کہیں ملتی ہے تو لے آنا۔ تم نے قاموس بھی دیکھی؟ غیاث ادھر رکھی تھی کہاں گئی؟

میں نے اپنے گھر میں اس لفظ کو بچپن سے مؤنث ہی بولا اور سنا ہے والد صاحب مرحوم مولوی احتشام الدین حقی دہلوی سو ڈیڑھ برس تک وہ لغت لکھتے رہے جو حکومت حیدرآباد دکن کے لیے مولوی عبدالحق صاحب مرحوم کے زیر نگرانی مرتب کی جا رہی تھی دونوں صاحبان لغت کو مؤنث لکھتے اور بولتے تھے۔

وہ لغت 'ن' کی تقطیع تک مرتب ہو چکی تھی لیکن فسادات میں گاؤ خورد ہوئی روایت ہے کہ اس کے بچے کچھے اجزا انجمن ترقی اردو علی گڑھ میں موجود ہیں شاید یہ لفظ بھی ان میں مل جائے، یہ کل ذخیرہ مولوی احتشام الدین صاحب کا لکھا اور مولوی عبدالحق صاحب کا دیکھا ہوا تھا۔

میر امن نے لغت بمعنی لفظ کو بھی مؤنث لکھا ہے "عربی و فارسی کی لغتیں چاہتا تو بہت سی بھر دیتا"

(گنج خوبی۔ ۹)

مگر اب ان معنی میں بالاتفاق مذکر ہے۔

توحید کردگار کی فرہنگ ڈھونڈ دیکھ
ہرگز لغت نہیں ہے بدیل و سہیم کا

(کلیات منیر ۱۹۹)

"اردو زبان میں یا تو فارسی کے لغت بہت ملا دیئے ہیں اور فارسی کی ترکیب پر لکھنے لگے ہیں......"

(تذکرہ اہل دہلی،)

اس کی شہادت میں کبیر کی نظمیں موجود ہیں جن میں فارسی کے لغت بھرے ہوئے ہیں"

(مرزا حیرت، چراغ دہلی ۹۰)

"لغت" بطور کتاب اللغات کی شامیں

"اردو زبان میں یہ لغت اس لیے لکھی جا رہی ہے کہ ہمارے زمانے میں اردو ہی کا رواج ہے۔"

(دیباچہ اشرف اللغات مولفہ مولوی اشرف لکھنوی ۲۱)

"اس کتاب کو جو خوبی اردو کتابوں سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ ان سب کا نچوڑ ہونے کے علاوہ جدید محاوروں کی لغت بھی ہے"

(رسالہ ساقی دہلی فروری ۹۶۹)

"اردو یا ہندوستانی لغات زیادہ لکھی گئی ہیں"

(مولوی عبدالحق۔ دیباچہ انگریزی اردو ڈکشنری)

(نجم الحسن انجم ادیب)

(۲)

لغت کے لفظ کی تذکیر و تانیث کا جھگڑا "ہماری زبان" میں

جو عرصے سے چل رہا ہے ۱۵ جنوری ۱۹۷۰ء کے شمارے میں ڈاکٹر صفدر آہ کی تحقیق اور رائے سے اختلاف جناب رشید الدین صاحب حیدرآبادی بھی نظر سے گزرا نیز اردو نامہ کراچی شمارہ ۲۶ دسمبر ۶۹ء صرف نظر ہوا اس میں ڈاکٹر صفدر آہ کی بے چینی اور وہاں کے ارباب فہم کی دلیلیں بھی دیکھیں۔ زبان کا مسئلہ میری ناچیز رائے میں جانب دارانہ حیثیت سے نہیں طے ہو سکتا۔ بلکہ اس کے لیے تحقیق کی بڑی ضرورت ہے۔ اردو نامے میں جو یا لکھا گیا ہے کہ لغت کے آخر میں (ت) ہے اس لیے وہ مونث ہی ہے اور اس کے تحت چند بے جوڑ ہندی فارسی اور عربی کی مثالیں اپنے دعوے کے استدلال میں پیش کی گئی ہیں۔ میں زیر نظر مضمون میں صرف چند لفظ عربی فارسی اور ہندی کے پیش کروں گا جن کے آخر میں (ت) ہے لیکن وہ مذکر ہی بولے جاتے ہیں عربی لفظ ثبوت۔ ثبات۔ بیت (بمعنی گھر) وغیرہ۔ فارسی لفظ تخت۔ بخت۔ سخت وغیرہ ہندی لفظ پربت (بمعنی بھوت۔ آسیب) اور سوانگت وغیرہ۔ اس سے یہ ماننا پڑیگا کہ زبان میں کچھ مستثنیات بھی ہوا کرتے ہیں۔ اسی جگہ یہ بھی لکھ دوں کہ یہ قاعدہ ہے کہ عربی کا کوئی لفظ ہندی سے گٹھ جوڑ نہیں کر سکتا۔ اور اگر ہے تو اس کو ہم نہیں مانیں گے مثلاً غنڈہ میں غ عربی کا موجود ہے اس لیے وہ غنڈہ نہیں بلکہ گنڈہ بولا جائے۔ تھوڑی دیر کے لیے مان لیجئے کہ یہ استدلال درست ہے۔ لیکن آخر ان غٹ بھیا مارے ٹھیٹھ، غترغوں، غل غپاڑہ، خرخراہٹ، خراق پڑاق وغیرہ کی بابت کیا کہا جائے گا کیا یہ اور اسی قسم کے بہت سے لفظ زبان سے خارج کر دیے جائیں گے۔ میں تو با ادب یہی کہوں گا کہ ان کو مستثنیات میں رکھیے اور اپنی زبان کو اس قدر محدود نہ کیجئے۔ بات کہاں سے کہاں پہونچی۔ لکھنے کیا بیٹھا تھا اور لکھ کیا گیا۔ خیر ایسا ہی سہی۔ ڈاکٹر صفدر آہ کی اصل بحث اور جو نظائر وہ مانگتے ہیں ان کا بے لاگ اور کھلے ہوئے ذہن سے جائزہ لیں۔ ڈاکٹر صاحب کو نظائر اس قسم کے درکار ہیں کہ لغت کی تذکیر و تانیث کو مستند اردو لغت نویسوں اور مستند تذکیر و تانیث کے رسالے لکھنے والوں اور مستند شعراء کے کلام سے ثابت کیا جائے۔ میں نے اپنی صحت کی خرابی اور کم فرصتی کے سبب کچھ نظائر اکٹھا کیے ہیں جن کو پیش کر رہا ہوں۔

۱۔ امیر اللغات کے دیباچے میں یہ عبارت درج ہے (۱۸۸۴ء میں علوم کے قدر دان سر الفرڈ لائل صاحب بہادر لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی و چیف کمشنر اودھ نے نواب خلد آشیاں لاثانی شعراء سے اردو کے ایک جامع لغت کی فرمائش کی)

۲۔ امیر اللغات کے پہلے صفحہ پر لکھتے ہیں "خدا سے دعا ہے کہ یہ لغت اردو زبان کے مدرسوں مکتبوں میں طلبہ کو مطالعہ کتب میں ماسٹروں اور معلموں کو درس و تدریس میں شعرا کو ضروریات شاعری میں نثاروں کو نثر نگاری میں غیر زبان داں کو تکمیل زبان میں اور عام طور پر مشتاق زبان کو فائدہ پہنچائے گا۔ کچہری اور دفتروں میں بھی بکار آمد ہوگا" اسی کے صفحہ پر (اور جس طرح بھاکا اور سنسکرت کا کوئی لغت اردو میں نہیں ہے)

۳۔ فصاحت جنگ حضرت جلیل جانشین امیر مینائی اپنے رسالہ تذکیر و تانیث میں صفحہ ۹۲ پر لغت کو مذکر ہی لکھا ہے اور منیر شکوہ آبادی کا شعر بھی دیا ہے۔

(منیر)

توحید گردگار کی زینت، ڈھونڈھو دیکھ
ہرگز لغت نہیں ہے عدیل و سہیم کا

مذکورہ رسالے پر مولوی عبد الحلیم شرر نے ریویو کیا ہے۔ لکھتے ہیں "کیونکہ اردو زبان میں ایسے ایک لغت کی بے انتہا ضرورت ہے" جلیل نے نور اللغات کے لیے تاریخی نظم لکھی جو سیرت مسعود کے صفحہ آخر پر نور اللغات مطبوعہ جلد ہند، درج ہے پوری نظم یہاں لکھنا تضیع وقت ہے صرف ایک مصرعہ نذر ہے

ہے منیر کا لغت ہے کان اردو

۴۔ مولف نور اللغات نے دیباچے میں دو جگہ مذکر لکھا ہے "۱۱" میں ہمیشہ سے اردو زبان کا دلدادہ رہا ہوں اور مدت سے اس کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں کہ اردو زبان کا کوئی مستند لغت تیار ہو جائے" "۲۲" باوصف اپنی کوششوں کے میں اس کے لیے تیار ہوں کہ ارباب فہم کی جو رائے ہو لیں۔ اور ان رایوں کے ذریعہ تغیر تبدیل کرنے کے بعد اس کا ضمیمہ شایع کروں گا کہ یہ تالیف اردو کا مستند لغت ہے"

۵۔ نور اللغات میں لغت کو مذکر لکھ کر میر امداد علی بحر شاگرد ناسخ کا شعر سند میں پیش کیا ہے۔ (بحر) ہے

خورشید میں نے اس کو نہ لکھا تو کیا عجب
میری کتاب میں یہ لغت منتخب نہ تھا

۶۔ حضرت ریاض خیر آبادی نے مولف نور اللغات کو ان کے استفسار پر ۲۰ جنوری ۱۹۳۲ء کو ایک کارڈ لکھا جس کی عبارت یہ ہے

"امور مندرجہ خط پر ضمیمہ شایع فرما، نور اللغات کو بہت ضروری کام ہے ضمیمے کے بعد نور اللغات کسی کا محتاج نہیں رہے گا"

اردو نامے میں ایک بحث لکھنؤ اور دہلی کی بھی چھیڑی گئی اور میر آسن کو شہادت تانیث میں لغت کو لفظ یا شبد کے معنی میں پیش کیا ہے۔ میں اول تو ایسی بحثوں میں پڑنا فضول سمجھتا ہوں جس میں ذرا ذرا سی بات پر لکھنؤ اور دہلی مد مقابل لے آئے جائیں۔ حالانکہ صاحب ارمغان دہلی نے اس شق میں بھی لغت کو مذکر لکھ کر اردو نامہ کی دلیل دبا کر ختم کر دیا۔ بقیہ پھر بشرط زندگی و فرصت۔

(طاہر محسن علوی)

"ہماری زبان"
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

اردو کو بھی ثانوی زبان کا درجہ دیا جائے گا

بہار مجالس قانون ساز کے مشترکہ اجلاس سے گورنر کا خطاب

پٹنہ۔ گورنر بہار جناب آئینگر نے بہار مجالس قانون ساز کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بہار کی پہلی غیر کانگریسی حکومت کی پالیسیوں اور پروگراموں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ سبھی سرکاری کام ہندی میں ہوں گے اور اردو کو ثانوی سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے گا۔ نیز آدی باسیوں اور دوسری قبائلی اقلیتوں کی زبانوں کی بھی حوصلہ افزائی کی جائے گی حکومت نے اس ۳۳ نکاتی پروگرام پر عمل درآمد شروع کر دیا ہے اور کئی اقدامات کئے ہیں۔ (قومی آواز)

انجمن ترقی اردو دلی شہر کی جنرل کونسل کی تشکیل

دلی۔ انجمن ترقی اردو دلی شہر کے تمام ممبروں کی ایک میٹنگ ہوئی میٹنگ کی صدارت جناب حاجی محمد صالح صاحب نے فرمائی، بہاری لال نے میٹنگ میں انجمن کی تشکیل نو اور اس کے اغراض و مقاصد کے بارے میں بتایا بعد ازاں ۵۰ ممبروں پر مشتمل جنرل کونسل کی تشکیل عمل میں آئی۔ طے ہوا کہ نئی جنرل کونسل کی آئندہ میٹنگ میں پھر مجلس عاملہ کے اراکین ریاستی مقام کے لیے نمائندوں اور عہدے داروں کا انتخاب عمل میں آئے گا۔ (الجمعیۃ)

انیسویں صدی میں اردو ڈرامہ پر توسیعی لکچر

الٰہ آباد یونیورسٹی میں حال ہی میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی طرف سے پروفیسر مسیح الزماں صاحب نے انیسویں صدی میں اردو ڈرامہ کے عنوان سے ایک توسیعی لکچر دیا جس کی صدارت پروفیسر احتشام حسین صاحب صدر شعبۂ اردو نے فرمائی۔ ابتدا میں احتشام صاحب نے ڈرامے کے علمی اور عملی پہلو سے مقرر کی دلچسپی تجربہ اور مطالعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ انیسویں صدی کے ڈرامے کے سلسلے میں ہمارے سامنے بہت سے مسائل ہیں جن کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں کی گئی ہے۔

پروفیسر مسیح الزماں نے سنسکرت ڈرامے اور سنسکرت اسٹیج کی روایتوں کا ذکر کرتے ہوئے یونانی اور چینی ڈراموں کی ساخت سے ان کے فرق کو واضح کیا اور ان اسباب کی طرف اشارہ کیا جن سے عوامی تھیٹر کی تحریک بنگال، شمالی ہند میں آگے بڑھی۔ واجد علی شاہ اور امانت کی ڈرامائی کوششیں اسی عوامی تحریک کا ایک شاخسانہ ہیں جنھیں ان کے طریقۂ پیش کش میں دیکھا جا سکتا ہے۔ انیسویں صدی کے نصف میں مغرب کے اثر سے بمبئی میں ایک دوسری تھیٹر تحریک شروع ہوئی جو مغرب کی نقال پر مبنی تھی اور رفتہ رفتہ یہی اردو تھیٹر پر حاوی ہو گئی۔ موصوف نے خاص طور پر حافظ عبد اللہ کے ڈراموں کا ذکر کیا اور "راجا ہیر"، "چمن فراق" "عدل سلطان محمود" اور "شکنتلا" کے اقتباسات سے بعض نکتوں کو واضح کیا۔ اسی دور میں ادبی ڈراموں پر بھی توجہ کی گئی جن میں محمد حسین آزاد اور مرزا محمد ہادی قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے ادبی ڈراموں اور پیشہ ور تھیٹر کے ڈراموں کے باہمی ربط اور ادبی پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ڈراموں پر پنجاب کی چھاپ آخر صدی تک نمایاں رہی آخر میں انھوں نے کہا کہ کم و بیش نصف صدی میں اردو ڈرامے نے ارتقا کی جو منزلیں طے کیں وہ اس مختصر مدت کو دیکھتے ہوئے قابل قدر ہیں۔ (نجم عطا)

انجمن ترقی اردو بہار کی عاملہ کی اہم میٹنگ

نئی حکومت سے اردو کو علاقائی اور سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ

پٹنہ۔ یہاں جناب غلام سرور کی صدارت میں مجلس عاملہ انجمن ترقی اردو بہار کی ایک اہم میٹنگ منعقد ہوئی جس میں ارکان عاملہ کے علاوہ اضلاع کی متعدد شخصیات نے بھی خصوصی دعوت پر شرکت کی۔

ایک قرارداد کے ذریعہ عاملہ نے اس امر پر اطمینان ظاہر کیا کہ الکشن میں اردو کے مسئلہ کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی انجمن کی ہدایت پر بہار کے تمام اردو دوست عوام نے غیر کانگریسی جماعتوں کے نمائندوں کو کامیاب بنا کر انھیں بر سر اقتدار آنے کا موقع دیا بہار کی مخلوط وزارت کا خیر مقدم کرتے ہوئے اور انھیں اپنے تعاون کا یقین دلاتے ہوئے عاملہ نئی حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ الکشن سے پہلے ہونے والے سمجھوتہ اور عہد کے وضاحتی بیانات کے مطابق جلد از جلد ریاستی اسمبلی میں ایک بل لا کر اردو کو علاقائی اور ثانوی زبان قرار دے عاملہ نے بہار کے اردو نوازوں سے بھی اپیل کی ہے کہ ابھی اردو کی جدوجہد ختم نہیں ہوئی ہے لہٰذا وہ بیدار اور مستعد رہیں۔

ایک دوسری قرارداد کے ذریعہ انجمن کے ذریعہ بہار کی نئی کابینہ کو استقبالیہ دینے اور انجمن کی کونسل کا جلسہ بلانے کا فیصلہ کیا جس میں بہار کے نئے ممبران اسمبلی بھی شامل ہوں گے۔ (ق م)

مدھیہ پردیش بورڈ کے امتحانات میں اردو طلبہ کو پریشانی

گوالیار۔ مدھیہ پردیش بورڈ آف ہائر سکنڈری کے امتحانات میں اردو مخالف اردو کے طلبہ کو طرح طرح سے پریشان کر رہے ہیں سرکاری اسکولوں میں اردو کے طلبہ کو داخلہ نہیں دیا جاتا جس کی شکایت سابق وزیر تعلیم جناب نرسنگھ راؤ دکشت سے کئی بار کی گئی اور انھوں نے انتظام کرنے کا وعدہ کرنے کے باوجود تجاہل عارفانہ سے کام لیا اور سرکاری اسکولوں میں اردو کے طلبہ کو داخلہ نہیں مل سکا اب اردو کے پرائیویٹ طالب علم جنھوں نے ہائر سکنڈری کے امتحان میں اردو لے کر شرکت کی ہے اور ہسٹری، جغرافیہ، سوکس، اکنومکس کے پرچوں کو اردو زبان میں حل کرنا چاہتے ہیں تو گوالیار کے کچھ سنٹروں پر ان کو مندرجہ بالا مضامین کے پرچہ اردو زبان میں نہیں دیئے جاتے اور کہہ دیا جاتا ہے کہ اردو کے پرچے نہیں آئے، آپ ہندی پرچے ہی سے کام چلا لیجئے جبکہ بورڈ سے اس کا معقول انتظام ہو چکا ہے اور ہر سنٹر پر اردو رسم الخط کے پرچے بھی بھیج دیئے گئے ہیں۔ گوالیار میں وی بی ہائر سکنڈری

اسکول کے پرنسپل صاحب اردو زبان اور اردو مضمون کے طلبہ سے دشمنی کی حد تک نااتفاقی کا اظہار کر رہے ہیں۔

ممبران اسمبلی کو ایوان کی کارروائی اردو میں فراہم کی جائے

لکھنؤ۔ یوپی اسمبلی کے مختلف سیاسی پارٹیوں کے ممبروں نے اسپیکر جگدیش سرن اگروال کو ایک محضر نامہ پیش کیا جس کے ذریعہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ ہندی نہ جاننے والے ممبران اسمبلی کو اردو میں ایوان کی کارروائی چلانے کے لیے سہولتیں فراہم کی جائیں۔

اسمبلی کے اسپیکر نے ان مطالبات پر ہمدردی کے ساتھ غور کرنے اور مطالبات کو تسلیم کر لینے کا وعدہ کیا ہے۔ متعدد کانگریسی ممبر بھی اس مطالبہ کو جائز نیز حق و انصاف پر مبنی سمجھتے ہیں۔ ان کانگریسی ممبروں نے اس سلسلہ میں امداد و تعاون کا یقین دلایا ہے۔

اسپیکر کے پیش کئے جانے والے اس توجہ نامہ پر چرن سنگھ کے علاوہ تمام سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں کے دستخط ہیں۔ ممبران اسمبلی نے اردو کے جائز حقوق حاصل کرنے کے لیے ایوان میں موثر اور قانونی جد و جہد کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس توجہ نامہ پر ہر پارٹی کے لیڈر نے دستخط کر دیئے ہیں لیکن چرن سنگھ نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔

توجہ نامہ میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ (۱) اسمبلی کا ایجنڈا اردو میں بھی دیا جائے (۲) جو کاغذات اسمبلی کی میز پر ہندی میں ہوں وہ اردو میں بھی رکھے جائیں (۳) جو صاحبان اردو میں سوالات بھیجنا چاہیں ان کو اسمبلی سکریٹریٹ منظور کرے اور ان کے جوابات بھی اردو میں دیئے جائیں (۴) اردو داں ممبران کو اردو میں تقریر کرنے کی اجازت دی جائے اور اس کی تقریریں اردو رسم الخط میں لکھی جایا کریں جیسا کہ راجیہ سبھا اور لوک سبھا میں ہوتا ہے (۵) اسمبلی سکریٹریٹ اردو داں صاحبان سے اردو میں خط و کتابت کرے۔

(قائد)

اردو کو بہار کی علاقائی زبان بنانے کا سوال

پٹنہ۔ بہار کی غیر کانگریسی حکومت صدر جمہوریہ سے سفارش کرنے والی ہے کہ وہ دستور کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت آرڈیننس جاری کر کے اردو کو بہار کی علاقائی زبان کا درجہ دیدیں۔ لینگویجز ایکٹ میں ترمیم کئے جانے کے مسئلہ پر سرکاری پارٹیوں میں زبردست اختلاف پیدا ہو گیا ہے لہذا انھیں خوف ہے کہ ترمیم کا بل گر جائے گا۔ واضح رہے کہ بہار کی کانگریسی حکومت نے بھی کابینہ سے منظور کرا کے اسی قسم کی سفارش صدر جمہوریہ کو ارسال کی تھی جس پر کارروائی ہو رہی ہے۔

پارلیمنٹ میں تمام قومی زبانوں کو ہندی اور انگریزی کے برابر درجہ ملے گا

نئی دہلی لوک سبھا نے جناب اے۔ ایم۔ شیرانی کو اجازت دی کہ دستور میں ترمیم کا ایک بل ایوان میں پیش کریں جس کے تحت ممبران کو اجازت ہوگی کہ وہ پارلیمنٹ میں آٹھویں شیڈول میں درج ۱۴ زبانوں میں تقریریں کر سکیں۔ دستور کی دفعہ ۱۲۰ کے تحت پارلیمنٹ کی کارروائی انگریزی یا ہندی میں ہی چلائی جا سکتی ہے۔

صرف وہ ممبران جو ان دونوں میں کسی بھی زبان میں اظہار خیال کی قدرت نہیں رکھتے وہ اپنی مادری زبان میں تقریر کر سکتے ہیں جناب شیرانی نے کہا کہ جن لوگوں کو ان دونوں میں کوئی سی بھی زبان آتی ہے وہ دستور کے تحت اپنی مادری زبان میں تقریر نہیں کر سکتے۔ دستور کے آٹھویں شیڈول میں درج زبانیں پوری طرح سے ترقی یافتہ ہیں اور اپنی اپنی ریاستوں میں یا تو سرکاری زبانیں ہیں یا سرکاری زبانوں کا درجہ حاصل کرنے والی ہیں انھوں نے ایک اور بل بھی پیش کیا جس کے تحت دستور میں تبدیلی کی جائے گی کہ کسی زبان کی بنا پر کسی بھی شخص کے خلاف ملازمت میں امتیاز نہ رکھا جائے گا۔ (الجمعیۃ)

انجمن ترقی اردو بمبئی کا نیا انتخاب

بمبئی۔ دفتر انجمن ترقی اردو بمبئی میں اس کا سالانہ اجلاس ڈاکٹر ایس ایس نتا صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا سب سے پہلے جائنٹ سکریٹری مدن موہن کالیہ صاحب نے گذشتہ دو سال کی کارکردگی کی رپورٹ پڑھ کر سنائی دستوری صاحب نے پچھلے حسابات کا گوشوارہ پیش کیا۔ اس کی منظوری کے بعد مختلف اراکین جلسہ نے انجمن اور اس کی سرگرمیوں کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ بعدہ ۱۹۷۷ء کے لیے حسب ذیل عہدیداران اور مجلس عاملہ کے اراکین کا انتخاب باتفاق رائے عمل میں آیا۔

۱۔ صدر: ڈاکٹر ایس ایس نتا

۲۔ نائب صدر: عبد الستار دلوی

۳۔ جنرل سکریٹری: سید شہاب الدین دسنوی

۴۔ جوائنٹ سکریٹری: داور آفریدی

۵۔ خازن: زکیہ شریف

اراکین مجلس عاملہ

۱۔ سردار جعفری	۲۔ مدن موہن کالیہ
۳۔ معین الدین حارث	۴۔ شاہد علی خاں
۵۔ محمود چھاپرا	۶۔ حیدر خان پٹھان
۷۔ سید عبد الحی رضا	۸۔ سید محمد زبیر
۹۔ رضا الجبار	۱۰۔ ذاکر حسین فاروقی
۱۱۔ ابوبکر مرچنٹ	

(داور آفریدی جوائنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو۔ بمبئی)

اہل قلم کو مضامین و مراسلات بھیجتے وقت یہ خیال رکھیں کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔

تبصرے

شہریاس

مخدوم نمبر۔ ماہنامہ صبا

مرتبہ سلیمان اریب
ضخامت چار سو صفحات
قیمت ۵ روپے
پتہ ۱۰۔ مجرد گاہ مسلم جاہی مارکیٹ حیدرآباد آندھرا

ہندوستان سے جو چند اچھے ادبی ماہنامے شایع ہوتے ہیں ان میں صبا کو ایک امتیازی اہمیت حاصل ہے۔ اس ماہنامے نے جہاں کلاسیکی ادب کی تحقیق و تنقید کے لیے فضا ہموار کی ہے وہاں جدید اور نت نئے رنگ بدلتے ہوئے ادبی رجحانات کے فروغ و اشاعت کا بھی پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ اب تک اس کے کئی خاص نمبر شایع ہو چکے ہیں جن میں سے بعض بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ پچھلے چند سالوں سے اس کی اشاعت میں پابندی وقت کے علاوہ ہر چیز کا خیال رکھا جاتا ہے۔ کاش اریب صاحب اس طرف بھی توجہ دیں۔

صبا کا زیر تبصرہ شمارہ اردو کے بلند پایہ شاعر مخدوم محی الدین کے کلام اور شخصیت پر تنقیدی اور تاثراتی مضامین، جائزوں اور تبصروں نیز ان کے کلام کے انتخاب کے لیے مخصوص ہے۔ دسمبر ۶۹ء میں مخدوم کی ادبی اور تہذیبی خدمات کے اعتراف کے لیے حیدرآباد میں بڑے پیمانے پر "جشن مخدوم" کا انعقاد کیا گیا تھا جس میں ممتاز مقامی ادیبوں، سیاسی کارکنوں اور دانشوروں کے علاوہ دہلی اور بمبئی کے ممتاز ادیبوں نے بھی شرکت کی تھی۔ جشن کی روداد بھی اس نمبر میں شامل ہے۔ اس جشن کے موقع پر جو تنقیدی اور تاثراتی مضامین پڑھے گئے تھے ان کو اس نمبر میں یکجا کر دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ ان مضامین اور آرا کو بھی شامل کیا گیا ہے جو وقتاً فوقتاً مخدوم کی شاعری اور شخصیت پر کتابوں یا رسائل میں شایع ہوئے۔ خود مخدوم کی ان تحریروں کو بھی، جو گلدستۂ طاق نسیاں، ہو گئی تھیں، تلاش کر کے اس نمبر کی زینت بنایا گیا ہے۔

مخدوم اردو کے ان شاعروں میں ہیں جن کی شہرت اور مقبولیت کو کسی وقتی ہنگامہ ادبی یا سیاسی حادثہ یا مآخذ کے پس منظر میں دیکھنے یا دکھانے کی ضرورت نہ پہلے تھی اور نہ آج ہے۔ کسی بھی اچھے اور سچے شاعر کو، اس کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اچھا اور سچا شاعر فن اور اس کے مطالبات سے کبھی غافل نہیں ہوتا اور ادب میں آخری فیصلے فن کی بنیاد ہی پر کئے جاتے ہیں۔ مخدوم اس راز سے واقف ہیں اسی لیے وہ زندگی سے عشق اور فن سے خلوص کو الگ الگ چیزیں نہیں سمجھتے یہی وجہ ہے کہ مخدوم اپنے دوسرے معاصرین کی طرح ابھار اور اضمحلال کا شکار نہیں ہوئے اور آج بھی ان کا فن مائل بہ ارتقا ہے۔ ان کی شاعری میں وہ سب بھی ہے جسے بجا طور پر ترقی پسندی کہا جا سکتا ہے اور وہ سب بھی جسے آج جدیدیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ان کے زندہ اور متحرک فنکار ہونے کی دلیل ہے۔ جس شاعر میں اتنی بہت سی خوبیاں اور خصوصیات بیک وقت جمع ہوں، اس پر ایک معیاری خاص نمبر کی توقع کچھ زیادہ بے جا نہیں ہے۔ لیکن یہ توقع اس نمبر سے خاطر خواہ پوری نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس میں بیشتر مضامین سرسری اور تشنہ ہیں ہاں ان کی ترتیب و تزئین میں ضرور ایک سلیقے کا ثبوت ملتا ہے جس کے لیے سلیمان اریب اور سعید بن محمد آرٹسٹ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ صفحات کی تعداد، طباعت کے معیار اور مخدوم کے منتخب اور نمائندہ کلام کے بھرپور انتخاب کو دیکھتے ہوئے اس کی قیمت زیادہ نہیں کہی جا سکتی۔

بڑھتے قدم۔

رگھبیر سرن دواکر راہی
قیمت :- ایک روپیہ
ملنے کا پتہ :- نعمانی پبلشنگ ہاؤس۔ نعمانی اسٹریٹ رام پور

۴۴ صفحے کی اس کتاب میں راہی صاحب کے منتخب اشعار شامل ہیں۔ ابتدائی ۲۴ صفحات میں راہی صاحب کے احباب اور سرپرستوں نے ان کے کلام کی بلاغتوں اور نزاکتوں کی نشاندہی کی ہے پہلے صفحہ پر کتاب اور مصنف کے نام کے نیچے راہی صاحب نے اپنا یہ شعر لکھا ہے۔

یہ دوستوں کا کرم ہے کہ واہ وا ہی ہے
وگرنہ آپ کے راہی! کلام میں کیا ہے؟

کتاب کے ایک ایک ورق کو توجہ اور ہمدردی سے پڑھنے کے بعد راہی صاحب کے معصومانہ اور پرخلوص اعتراف حقیقت پر داد دینے کو جی چاہتا ہے راہی صاحب نے اپنے اشعار میں ان تمام مسائل اور موضوعات پر اظہار خیال کیا ہے جن کا تعلق ہجر حقیقتوں سے ہے اور جو غزل گو شعرا کو محبوب و مرغوب رہے ہیں۔

چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

عقل ہم سے الجھتی رہی راہ میں
اور جنوں سوئے منزل بلاتا رہا

یہ اپنا اپنا عقیدہ ہے اپنا اپنا خیال
جو سوچیے تو عذاب و ثواب کچھ بھی نہیں

خدمت خلق کا ہر اک لمحہ
وقف پروردگار ہوتا ہے

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند گڑھ سے شایع کیا